سیاستِ حاضرہ میں خواتین کا کردار

حمیرا اشرف*

ABSTRACT:

'Role of women in Contemporary Politics, is a topic which has been under discussion of different groups of intellectuals and politicians . Some people consider the participation of women in politics necessary while others contradict the idea.

In the history of islam,women have taken part in social and politic activities Prophet era strengthens the view with the assistance of certain examples of women of their particiaption. By shouldering the men in jihad and warfare .Incident of Sulha Hudabia approved the role of Ume-e-salma as well .Furthermore women are bound to pay the responsibilities of family even in the case of participation in social activities.Rest of the moral conditions is applicable equally on both kind of gender without any discrimination.

In Pakistan,India and Bangladesh women have been on the post of Prime Minister but still the problems related to women could'nt be solved.Actually the reason behind the problems is of various types in nature.Some are related to the inefficent and corrupt authorities on higher ranks.Some are related to the discipline,corruption and tribal norms and values.Some are ignorance based.All the reasons should be evaluated and the steps should be taken in the light of evaluation.Participation of women should be made confirm in the system of government. However, we as women should be in limits while playing the role in politics and social activities according to the social norms.

Keywords: Politics, Contemporary, Participation, Responsibilities, Women.

سیاست میں خواتین کا کردار ایک ایسا موضوع ہے جو گزشتہ کئی دہائیوں سے اہلِ دانش اور سیاستدانوں کے مختلف طبقات میں بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔اس کے لیے مختلف حکومتوں نے عملی اقدامات بھی کیے۔جنرل پرویز مشرف نے بھی عالمی ایجنڈے کے مطابق فیصلہ سازی کے اداروں میں خواتین کو 33 فیصد نمائندگی دی۔بلدیاتی اداروں میں بھی اسی تناسب سے خواتین شامل ہوئیں۔بعد کی حکومتوں نے بھی اسے جاری رکھا۔اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ خواتین کی سیاسی عمل میں شرکت کے عوامل، محرکات اور اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے شریعتِ اسلامی کی روشنی میں علماء کرام کی طے کردہ حدود وِ کار کو واضح کیا جائے تاکہ خواتین شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے ملک وقوم کی خدمت کرسکیں۔

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ، اسلامیہ کالج گو پرروڈ لاہور

برقی پتا: humairatariq1111@gmail.com

تاریخِ موصولہ: ۲۰۱۵/۴/۷ء

لفظ سیاست کے لغوی اور اصطلاحی معنی

ابنِ منظور افریقی لکھتے ہیں:

''سیاست کسی چیز کی اصلاح کے لیے کمر بستہ اور کھڑے ہو جانے کو کہا جاتا ہے اور سیاست ایک مدبر اور قائد کا کام ہے''۔(۱)

علامہ ابنِ خلدون رقم طراز ہیں:

''سیاست اور حکومت مخلوق کی نگہداشت اور ان کے مفاد کی کفالت وضمانت کا نام ہے یہ سیاست خدا کی نیابت ہے اس کے بندوں پر اسی کے احکام نافذ کرنے کے کام ہیں''۔(۲)

امام راغب اصفہانیؒ نے سیاست کی تعریف میں تین ارکانِ سیاست کا ذکر فرمایا ہے

۱	عمارۃ الارض	زمین کو آباد کرنا اور عمرانی تمدن قائم کرنا
۲	تنفیذ احکام اللہ	خدا کے احکام کو نافذ کرنا
۳	مکارم الشریعۃ	اخلاقِ فاضلہ اختیار کرنا۔(۳)

علامہ ابنِ قیم کے نزدیک سیاست کی تعریف یوں ہے۔

''سیاست وہ عمل ہے جو انسانوں کو اصلاح سے قریب اور فساد سے دور کر دے، اگرچہ یہ عمل رسول ﷺ نے کیا ہو نہ اس کے بارے میں وحی نازل ہوتی ہو۔ ہر وہ طریقہ جس سے عدل بر آمد ہو سکے وہ دینی ہے۔(۴)

مولانا گوہر رحمان لکھتے ہیں:

''سیاست وہ فن اور حکمت ہے جس کا موضوع فرائضِ حکومت اور ریاست کا نظم ونسق ہے اور جس کی غرض وغایت مصالح عامہ کی حفاظت کرنا اور شہریوں کے باہمی ربط وتعلق کو قاعدے اور قانون کے ذریعے کنٹرول کرنا ہے'(۵)

سیاسی سرگرمیاں

عام طور پر ہم سیاسی سرگرمیوں کو بلدیاتی اداروں اور پارلیمنٹ وغیرہ میں نمائندہ بننے یا بنانے اور وزارت وغیرہ کے مناصب حاصل کرنے تک محدود سمجھتے ہیں۔ جبکہ سیاسی سرگرمیوں کا اسلامی تصور اس سے کہیں زیادہ وسیع اور گہرا ہے۔ مشہور مصنف وصفی عاشور ابو زید نے اپنی کتاب ''مشارکۃ المرأۃ فی العمل العام' (کارگہِ حیات میں خواتین کی شرکت) میں لکھا ہے ''بعض لوگوں کو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ خواتین سیاسی سرگرمیوں کے لیے اور سیاسی سرگرمیاں ان کے لیے کیسے مناسب ہو سکتی ہیں؟ جبکہ عہدِ نبویؐ میں خواتین کی سیاسی سرگرمیوں میں شرکت ثابت ہوتی ہے''۔(۶)

اسی طرح (تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ) کے مصنف شیخ عبدالحلیم ابوشقہ نے صرف صحیح احادیث میں سے تین سوایسی دلیلیں پیش کیں ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی زندگی میں عورتوں کی شرکت شریعت کی نگاہ میں ممنوع نہیں ہے۔جب ہم حضورؐ کی سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے حضورؐ نے مردوں کی طرح خواتین سے بھی بیعت لی۔ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کے وقت بھی خواتین مردوں کے ساتھ تھیں۔قرآن نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیتے ہوئے بھی معاشرہ میں ان تمدنی اداروں کے قیام پر زور دیا ہے۔

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینهون عن المنکر و اولئك هم المفلحون

''اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی دعوت دے،معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں''(۷)

اسی طرح جہاد کے احکامات میں بھی مطالبہ مرد اور خواتین دونوں سے ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

ومالکم لا تقاتلون فی سبیل الله والمستضعفین من الرجال والنساءِ والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من هذه القریة الظالم اهلها،واجعل لنا من لدنك ولیا واجعل لنا من لدنك نصیرا۔

''اور تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم جنگ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے لیے جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی قدرت سے ہمارا حامی ومددگار پیدا کر''۔(۸)

نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ مباہلے کے لیے جب حضورؐ نکلے تو آپؐ کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ بھی تھے۔(۹)

بلاشبہ تاریخِ اسلامی میں ہمیں زندگی کے ہر میدان میں خواتینِ اسلام کے کارہائے نمایاں کا ذکر ملتا ہے۔موجودہ دجالی تہذیب کے دور میں بنظرِ عمیق اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ سیاستِ حاضرہ میں خواتین کی شرکت کچھ اصول وضوابط کی پابند ہے اس کے لیے کوئی دائرہ عمل متعین کیا گیا ہے یا اسے مردوں کی طرح کُلی طور پر سیاست میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی ہے۔

وصفی عاشور ابوزید لکھتے ہیں:

''اسلام نے عورت کو معاشی اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے نہیں روکا۔عدم ممانعت کا یہ حکم بالخصوص اس عورت کے لیے ہے جس کے پاس اپنی شادی سے پہلے یا اپنے بچوں کی شادیوں

کے بعد فرصت ہو یا جو بے اولاد ہو یا جو بیک وقت مختلف ذمہ داریوں کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔" (۱۰)

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے: "اسلام نے شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کے لیے کچھ مخصوص ذمہ داریاں بنائی ہیں۔ دونوں پر یہ لازمی ہے کہ وہ اپنے کردار کو انجام دیں تا کہ گھر کے اندر اور باہر معاشرہ کی تعمیر ہو سکے۔ مرد کمائے اور نان نفقہ کا انتظام کرے اور عورت اولاد کی تربیت، شفقت، رضاعت اور پرورش کی ذمہ داری اٹھائے۔ وہ اعمال انجام دے جو بچوں کی تعلیم، خواتین کے لیے تعلیم گاہوں کے انتظام اور ان کے علاج معالجے نیز تیمارداری میں اس کے لیے مفید ہوں وہ اس کے علاوہ اور بھی ایسے کام کر سکتی ہیں جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں۔ عورت کے ذریعہ گھریلو ذمہ داریوں کو ترک کرنے کو گھر اور گھر والوں کا ضیاع ہی مانا جائے گا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ خاندان کا ظاہری و معنوی طور پر بکھراؤ ہے۔ اسی صورت میں معاشرہ کی شکل و صورت تو باقی رہے گی لیکن اس کی حقیقت نہیں"۔(۱۱)

وصفی عاشور، ابوزید ابن باز کی اس تحریر سے درج ذیل نتیجہ اخذ کرتے ہیں: "شیخ ابن باز کے اس کلام پر غور کریں، وہ عورت کے لیے معاشرہ کی سرگرمیوں میں شرکت کو جائز قرار دے رہے ہیں لیکن اس وقت جبکہ کام عورت کے شایانِ شان ہو اور ایسا ہو جس کو وہ اچھی طرح انجام دے سکے۔ اور معاشرہ کو اس کی ضرورت بھی ہو۔ لیکن اگر کوئی کام ایسا ہو جس میں عورت کی شرکت مردوں کے مخصوص کاموں میں متصادم ہو تو پھر اس کو شیخ نے ممنوع قرار دیا ہے اس لیے کہ وہ عورت کی فطرت کے منافی اور خدا کے قائم کردہ نظامِ عالم سے بغاوت کا مظہر ہے۔ (۱۲)

صاحب الجنة الدائمة للافتائا والبحوث سے عورت کے کام کرنے نیز اس کے لیے جائز میدانِ کارہائے کی بابت دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ "عورت کے کام کرنے کے جائز ہونے کے سلسلے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، لیکن اصل موضوعِ گفتگو یہ ہے کہ اس کا میدان کیا ہے۔ اس کی بابت تفصیل یہ ہے کہ وہ ایسے تمام کام کرے گی جو اس جیسی خواتین شوہر کے گھر میں کرتی ہیں مثلاً کھانا پکانا، روٹی پکانا، کپڑے دھونا۔ اور وہ تمام کام جو خاندان میں اس کے مناسبِ حال ہوں۔ اس کو تدریس بیع و شراء اور کپڑے بننے، رنگنے جیسے کام کی بھی اجازت ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ کام ناجائز امور کا باعث نہ بنیں۔ جیسے نامحرم مردوں کے ساتھ اختلاط، خاندان کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کر پانا، اہلِ خانہ کی رضامندی نہ ہونا۔ (۱۳) گویا کہ جن افراد نے انھیں ممنوع قرار دیا ہے اس کی وجہ شرعی ضابطوں کی پابندی کا نہ ہونا، عورت کی فطرت کے خلاف ہونا بنیادی ذمہ داری کا متاثر ہونا۔

ممتاز مجاہد ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے رائے دہندہ امیدوار کی حیثیت سے عورت کے جمہوری حق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "صریح اسلامی نصوص میں سے کوئی ایک بھی نص جمہوری عمل کے لیے عورت کی اہلیت سے تشریعی طور پر انکار نہیں کرتا ہے۔ لیکن جب ہم ایک اور ناحیہ سے اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اسلامی اصول و قواعد اس جمہوری حق کے

استعمال سے اس کو روکتے ہیں۔اس لیے نہیں کہ عورت اس کی اہل نہیں بلکہ بعض دیگر سماجی مصالح کی بناء پر مثلاً خاندان کی نگہبانی عورت پر یہ لازم کرتی ہے کہ وہ اس کام کے لیے مکمل طور پر فارغ ہو کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔۔۔یعنی عورت کی صلاحیتوں کی وجہ سے اسلام نے عورتوں کو جمہوری نمائندگی سے نہیں روکا ہے۔لیکن چونکہ اس جمہوری نمائندگی کی نوعیت اوراس کے تقاضوں کی وجہ سے عورت بہت سے حرام کاموں پر مجبور ہوگی اس لیے ممنوع قرار دے گا۔(۱۴)

گویا کہ شیخ سباعی کے نزدیک عورت کی عدم اہلیت یا کوئی نص شرعی عورت کے لیے ایسے عمل کو ممنوع قرار نہیں دیتا۔لیکن ممانعت کا سبب ان کے نزدیک ایسی خواتین کے ساتھ عام طور پر اختیار کیا جانے والا طرزِ عمل نیز وہ کام ہیں جو ان کے نزدیکعورت پر تھوپے جاتے ہیں یا پھر یہ عمل ایسی دیگر بنیادی ذمہ داریوں سے معارض ہونے کی بناء پر ممنوع ہے جن پر کسی اور کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے۔اسی لیےان کے نزدیک عورت کے لیے یہ کام فی نفسہ حرام نہیں ہے۔ بلکہ حرمت کا سبب خارجی ہے۔سیاسی وسماجی سرگرمیوں میں عورت کی شرکت کے لیے ایک لازمی شرط شوہر کی اجازت کا حاصل ہونا ہے۔اور وہ سیاسی سرگرمیوں میں شرکت اپنے گھر کی قیمت پر نہ کرے یہ بڑے گناہ اور شر وفساد کی بات ہے جو خاندان کو ختم کرنے کا باعث ہوگا۔اسی لیے سالم بھنساوی نے لکھا ہے۔

''عورت کے لیے صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد اور شوہر کے تئیں اپنی ذمہ داریوں نیز سماجی عمل میں اپنی شرکت کے درمیان توازن رکھے۔تنہا عورت کے لیے یہ واحد شرط ہے اس کے علاوہ جو اخلاقی شرائط ہیں وہ مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں طور پر ہیں۔(۱۵)

مجالسِ قانون ساز میں عورتوں کی شرکت کے مسئلہ پر مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:''ان مجالس کا نام مجالسِ قانون ساز رکھنے سے یہ غلط فہمی واقع ہوتی ہے کہ ان کا کام صرف قانون بنانا ہے اور پھر یہ غلط فہمی ذہن میں رکھ کر جب آدمی دیکھتا ہے کہ عہدِ صحابہ میں خواتین بھی قانونی مسائل پر بحث، گفتگو، اظہارِ رائے سب کچھ کرتی تھیں اور بسا اوقات خود خلفاء ان سے رائے لیتے اور اس رائے کا لحاظ کرتے تھے تو اسے حیرت ہوتی ہے کہ آج اسلامی اصولوں کا نام لے کر اس قسم کی مجالس میں عورتوں کی شرکت کو غلط کیسے کہا جاسکتا ہے۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جو مجالس اس نام سے موسوم کی جاتی ہیں ان کا کام محض قانون سازی کرنا نہیں ہے بلکہ عملاً وہی پوری ملکی سیاست کو کنٹرول کرتی ہیں وہی وزارتیں بناتی اور توڑتی ہیں''۔(۱۶)

گویا کہ مولانا مودودیؒ قانون سازی اور جمہوری عمل میں حصہ لینے کو غلط نہیں سمجھتے بلکہ وہ عورت کی سربراہی اور قوامیت کو ممنوع قرار دیتے ہیں جو کہ اس آیتِ مبارکہ سے ماخوذ ہے:

> ''مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور
> اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور

مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت ونگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔اور جن عورتوں سے تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو انھیں سمجھاؤ۔خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور مارو، پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو، یقین رکھو کہ اوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالاتر ہے۔'' (۱۷)

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی لکھتے ہیں:۔ ''مجلسِ قانون ساز کی حیثیت قوام کی نہیں بلکہ وکیل ہے۔انتخابات کے ذریعے درحقیقت امت قانون سازی اور حکومت کی نگہبانی کے لیے اپنے وکیل منتخب کرتی ہے یعنی انتخاب کا عمل وکیل بنانے کا عمل ہے۔ایک شخص پولنگ بوتھ پر جا کر اپنا ووٹ ڈالتا ہے اور پارلیمنٹ میں اپنے نمائندے منتخب کرتا ہے جو اس کی جانب سے گفتگو کرتے ہوئے اس کے حقوق کا دفاع کرتا ہے، اسلام اور عورت کو معاشرہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اپنے حقوق کا دفاع اور اپنی بات کہنے کے لیے ایک وکیل نامزد کرنے سے نہیں روکتا'' ۔(۱۸) آگے چل کر شیخ سباعی نے ایسی تدابیر اختیار کرنے کی بھی تاکید کی ہے جو عورت کو اختلاط اور شرعی ممنوعات کے ارتکاب سے محفوظ رکھے۔ بلکہ ڈاکٹر محمد فرید صادق نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں سیاسی سرگرمیوں میں عورتوں کی شرکت کو ممنوع قرار دینے والوں کے دلائل سے بحث کرنے کے بعد لکھا ہے۔

''سیاسی حقوق کو مردوں تک محدود رکھنے اور عورتوں کو ان سے محروم رکھنے سے حقیقی اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے حقیقی اسلام تو ان سیاسی حقوق میں مردوں اور عورتوں کو یکساں طور پر مساوی رکھنا چاہتا ہے'' ۔(۱۹)

تاریخِ اسلام کے ہر دور میں خواتین نے مختلف سماجی اور سیاسی سرگرمیوں میں شرکت کی۔اس سلسلہ میں عہدِ نبویؐ کے بہت سے واقعات بھی ہیں جو سیاسی منظرنامہ پر عورت کے وجود کی اہمیت واضح کرتے ہیں، جیسے جہاد میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شرکت، جہاد بھی سیاستِ شرعیہ کی ایک قسم ہے۔عورت کے ذریعہ مردوں کو پناہ دینا اور آپؐ کا اس کو برقرار رکھنا، صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ کو حضرت امِ سلمہؓ کا مشورہ دینا وغیرہ۔وصفی عاشور ابوزید لکھتے ہیں۔

''سماجی و معاشی دسرگرمیوں میں خواتین کی شرکت کی بابت شریعت کے نقطہ نظر پر گفتگو کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ ایک بھی نص ایسی نہیں ہے جو عورت کو سماجی وسیاسی سرگرمیوں میں شرکت سے روکے، بلکہ سوائے سربراہی مملکت کے کسی بھی مشروع کام سے عورت کو نہیں روکا جائے گا، سربراہی مملکت اس لیے ممنوع ہے کہ اس کی ممنوعیت ایک حدیث سے ثابت ہے جس کے الفاظ میں درج ہے۔ ''لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ'' ۔ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنی قیادت کسی عورت کے سپرد کردی ہو'' ۔(۲۰)

اخوان المسلمون کے دفتر الارشاد کے فتویٰ کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"بحیثیت عمومی عورت مرد سے کم تر جنس نہیں ہے ہم اپنی اس فقہی رائے کے درست ہونے پر دلائل پیش کر چکے ہیں کہ عورت کو مرد کی طرح مجلسِ نمائندگان، مقامی اور مختلف انجمنوں کے انتخابات میں حصہ لینے کا حق حاصل ہے، اسے ان مجالس (پارلیمنٹ یونین کونسل، انجمن وغیرہ) کی رکنیت کا بھی حق حاصل ہے۔اسے امامتِ عظمیٰ کے سوا تمام قیادتی مناصب اور عہدوں پر بھی فائز ہونے کا حق حاصل ہے۔ جہاں تک عدالتی مناصب کا تعلق ہے تو اجتہاد کے لیے دروازہ کھلا ہے"۔(۲۱)

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:۔"خاتونِ خانہ کو سربراہِ مملکت بنانا حرام ہے، کیونکہ شرعاً وہ جس طرح نماز کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتی، جسے امامتِ صغریٰ کہا جاتا ہے۔اسی طرح وہ امامتِ کبریٰ یعنی ملک کی سربراہی کی بھی صلاحیت نہیں رکھتی، اگر کوئی مرد عورت کی اقتداء میں نماز ادا کرے تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اسی طرح اگر عورت کو حاکمِ اعلیٰ بنا دیا جائے تو شرعاً اس کی حکومت لائقِ تسلیم نہیں ہوگی۔(۲۲) گویا کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی عورت کی سربراہی کی مخالفت کی ہے آگے چل کر وہ جنگِ جمل کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"واقعہ یہ تھا کہ حضرت ام المومنینؓ کو نہ اس موقع پر خلافت و امارت کا دعویٰ تھا نہ انھیں کسی مہم کے لیے کسی نے امیر منتخب کیا تھا"۔(۲۳)

عورت کی سیاسی سرگرمی حالات کے تناظر میں کم وبیش ہمیشہ سے رہی ہے

دجالی تہذیب کے دور میں عورت کو اسلام سے متنفر کرنے کی سرتوڑ کوشش کی جارہی ہے یہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جارہا ہے کہ اسلام عورت کے تمام بنیادی حقوق سلب کرتا ہے اسے گھر میں مقید رکھتا ہے آزادئ رائے سے محروم کرتا ہے۔عبدالحلیم ابوشقہ حالات کے تناظر میں عورت کے سیاسی عمل میں شرکت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ استعمار نے پورے عالمِ اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔سرزمینِ فلسطین پر یہودیوں کا غاصبانہ قبضہ ہو چکا ہے اس حالات نے عورت کے لیے بھی جہاد میں شرکت اور تحریکاتِ آزادی میں حصہ لینا ضروری بنا دیا ہے۔

۲۔ ذرائع ابلاغ و آمدورفت کی ترقی و آسانی نے معاشرہ میں پیچیدگیاں بھی پیدا کردی ہیں۔جس کے نتیجہ میں مردو عورت کے سیاسی شعور میں اضافہ ہوا ہے اور سیاسی مسائل پر نظر اور ان میں شرکت کی صلاحیت عورت کے اندر بھی پیدا ہوگئی ہے۔

۳۔ مختلف مراحل میں تعلیمی ترقی کے نتیجہ میں بہت سی خواتین بھی سماجی سرگرمی اور پیشہ وارانہ کاموں سے وابستہ ہو گئیں ہیں اس صورتحال نے بہت سی خواتین کے اندر یہ صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ مختلف النوع سیاسی سرگرمیوں، بائیکاٹ، مظاہرے انتخابات میں ووٹنگ، نمائندگی اور سیاسی پارٹیوں وملکی طاقتوں سے وابستگی میں

وہ شریک ہوں۔

۴۔ معاشرتی پیچیدگی نے عورتوں کی زندگیوں میں بھی پیچیدگی پیدا کردی ہے۔جس کے نتیجے میں خواتین سے متعلق نئے نئے مسائل ومشکلات پیدا ہو گئے ہیں اس لیے بھی بلدیاتی قانون سازی مجالس میں عورتوں کی شرکت کے تقاضے شدید ہوگئی ہیں تا کہ عورتیں اپنے مسائل سے اچھی طرح واقف وباشعور اوران کے حل کے لیے کوشاں ہوسکیں۔

۵۔ عالمی پیمانہ پرشورائی نظام کی جانب رجحان اب زیادہ ہوگیا ہے۔اگرچہ ان کی عملی شکلوں میں باہم بہت فرق ہے۔

اس صورتحال میں عرب مسلم حکومتوں کی جانب سے کبھی ظاہری طور پراور کبھی سنجیدہ اقدامات وشورائی کاوشیں انجام دی جارہی ہیں۔اورساتھ ہی مرد وعورت کے اندر شورائی نظام اختیار کرنے کا عزم وحوصلہ بڑھتا جارہا ہے، ہر معاشرہ میں وطنی پارٹیوں وطاقتوں کی جانب سے شورائی نظام کے نفاذ کا مطالبہ بڑھ رہا ہے۔بدلتے ہوئے معاشرتی حالات کے تناظر میں سیاسی سرگرمی کا مقصد مجلسِ قانون سازی کی تشکیل پھر اس کے کاموں کا تعین ہے۔اس سرگرمی کے نتیجہ میں فرد کو سیاسی امور کے مطالعہ اور تجزیہ کا موقع ملتا ہے۔حال اور مستقبل کے حالات کا شعور حاصل ہوتا ہے۔فرد و معاشرہ کی سرگرمی میں راست روی پیدا ہوتی ہے۔سماجی سرگرمی اور سیاسی سرگرمی کا بہت قریب کا تعلق ہے۔سماجی سرگرمی فطری طور پر سیاسی سرگرمی کا ذریعہ بنتی ہے۔سماجی سرگرمی کے نتیجہ میں ہمیں معاشرتی مسائل کا اندازہ ہوتا ہے جبکہ سیاسی سرگرمی کا تعلق اقتدار سے ہے۔دونوں کے درمیان باہم تعلق ہے۔عبدالحلیم ابوشقہ کی رائے کے مطابق شرعی احکامات اور حالاتِ حاضرہ کی ضرورت کے تحت درج ذیل اہم امور انجام دیئے جاسکتے ہیں۔

۱۔ سربراہ کے انتخاب میں عملی شرکت

۲۔ مجالسِ قانون کے لیے نمائندوں کا انتخاب، یہ مجالس دو کام سرانجام دیتی ہیں۔ایک قانون سازی اور دوسرے مجالسِ نفاذ کے کاموں کی نگرانی

۳۔ مجالسِ قانون ونفاذ کے کاموں پر تائید یا اعتراض کے لیے اپنی آراء کا اظہار اوراس کے لیے تقریر، تحریر، مظاہرے، بائیکاٹ اور میمورنڈم کے طریقے اپنانا۔

۴۔ قومی پارٹیوں وطاقتوں کی سرگرمی میں شرکت۔

۵۔ بلدیاتی وقانون ساز مجالس کی ممبری کے لیے نامزدگی

۶۔ سیاسی سرگرمی کے لیے شعور وثقافت کی بڑی مقدار اور زائد دلچسپی نیز وسیع افق کی ضرورت ہوتی ہے یہ صلاحیتیں ابتداًوطن کے مخصوص ومحدود مرد وخواتین کے اندر ہوتی ہیں لیکن عمومی آزادی اور سیاسی سرگرمی کی افزائش کے

لیےاس دائرہ کو بڑھایا جا سکتا ہے ان دونوں کاموں کے ذریعہ عوام کی بڑی تعداد کے اندر سیاسی شعور و اقتدار کی دیکھ ریکھ کی صلاحیت پیدا کی جاسکتی ہے۔جس طرح مردوں کے اندر سیاسی سرگرمی سے دلچسپی میں باہم فرق ہوتا ہے یہی حال خواتین کا بھی ہے۔جاہل کے تعلیم یافتہ، گھر کی چار دیواری میں محدود کے ساتھ اندرون و بیرونِ خانہ متعدد سرگرمیوں سے وابستہ اور محدود معمولی ذمہ داریوں والی کے ساتھ تعلیم و علاج، ذرائع ابلاغ وغیرہ۔اہم میدانوں کی عظیم الشان ذمہ دار خواتین بھی موجود ہیں۔ان تمام خواتین کے اندر سیاسی سرگرمی سے وابستگی کی علیحدہ صلاحیت ہوتی ہے۔(۲۸)

ہمارے ہاں خواتین کی سیاسی نمائندگی کے حوالہ سے یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ اکیسویں صدی کی عورت بھی بہت سے معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کا شکار ہے جن میں سے عورت کی تعلیم، صحت اور وراثت کا مسئلہ سرِ فہرست ہے اس کے علاوہ وہ جسمانی تشدد کا شکار بھی ہوتی ہے۔بعض اوقات خاندان، قبیلوں اور باہم افراد کے اختلافات میں دشمنی اور انتقام کا نشانہ بھی بنتی ہے ان حالات میں عورت کی مجلسِ قانون ساز میں نمائندگی از حد ضروری ہے۔تاکہ وہ بحیثیت عورت اپنی صنف کے مسائل کو سمجھتے ہوئے اس کے تدارک کے لیے قانون سازی کرے اور پھر عملدرآمد کو ممکن بنائے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ **عورتوں کے ان مسائل کا بنیادی سبب کیا ہے؟**

مذہب سے دوری، جہالت، روایتی اور قبائلی رسم و رواج

یا

عورت کا مرد کے مقابل پالیسی ساز اداروں میں موجود نہ ہونا۔

دوسری فکر کے حاملین کا دعویٰ ہے کہ اگر ملکی سطح کے اداروں میں عورت کی نمائندگی ہو، قانون ساز اداروں میں بھی عورت موجود ہو تو اس کی حیثیت مرد کے برابر ہو جائے گی اس طرح وہ نہ صرف اپنے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی بلکہ معاشرتی استحصال اور مرد کے جبر سے بھی نجات حاصل کر سکے گی۔بظاہر یہ دلیل مضبوط محسوس ہوتی ہے لیکن جب ہم خواتین کی سیاسی نمائندگی کے حوالہ سے اقوامِ عالم کا جائزہ لیتے ہیں کہ جن ممالک میں خواتین حکمران رہیں کیا ان ممالک میں بسنے والی خواتین کے تمام مسائل حل ہو گئے تو اس کا جواب نفی میں ملتا ہے۔بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان میں خواتین وزیرِ اعظم رہیں تو کیا ان ممالک کی خواتین کے تمام مسائل حل ہو گئے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اپنے حلقے کی خواتین کے مسائل بھی حل نہیں ہوتے۔بلکہ دنیا میں کُل دو سو ممالک میں سے ۱۸ ممالک پر عورت کی حکمرانی رہی ہے۔۱۷۹ ممالک میں خواتین نمائندہ ہیں۔حکومتی نشستوں میں ۴۷۶۴۲ میں سے ۵۰۱۰ نشستیں خواتین کے پاس ہیں۔۱۹۹۷ میں یونسیف کی شائع کردہ رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں وزراء یا اسی سطح پر فائز خواتین کی تعداد اس طرح کے عہدوں پر فائز لوگوں کی کُل تعداد کا ۷ فیصد ہے۔ان خواتین میں نامزد خواتین بھی شامل ہیں۔یہ رپورٹ ۱۴۹ ممالک سے حاصل شدہ

اعداد و شمار پر مبنی ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں کو سامنے رکھا جائے تو افریقہ میں یہ تناسب ۷ فیصد ہے۔ مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں یہی اوسط ۲ فیصد ہے، وسطی ایشیاء میں ۳ فیصد، جنوب مشرقی ایشیاء کے ممالک میں یہ اوسط ۴ فیصد اور یورپ او رامریکہ میں ۱۰ فیصد ہے۔ اہم سیاسی عہدوں پر فائز ان خواتین کا امریکہ میں تناسب ۱۴ فیصد، برطانیہ میں ۸ فیصد، فرانس میں ۱۵ فیصد، روس میں ۲ فیصد، چین اور جاپان میں ۶ فیصد ہے۔ رپورٹ کے مطابق کم از کم ۳۵ ممالک ایسے ہیں جہاں پر تناسب صفر فیصد ہے۔(۲۶)

پاکستان کی تاریخ میں عورت کی سیاسی نمائندگی کم وبیش ہمیشہ سے رہی ہے

اگر ہم پاکستانی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

۱۹۴۹ میں عورتوں کی تعداد قانون ساز اسمبلی میں ۳ تھی

۱۹۵۲ تا ۱۹۵۸ میں ۲ عورتیں پنجاب اسمبلی میں شامل رہیں

۱۹۶۲ تا ۱۹۶۵ میں ۲ عورتوں کے اضافے کے ساتھ ان کی تعداد ۴ ہوگئی

۱۹۷۵ تا ۱۹۷۷ تک بھٹو دور میں ۵ عورتیں پنجاب اسمبلی کی ممبر رہیں

۱۹۷۷ میں خواتین ممبرز کی تعداد ۹ ہوگئی۔ ۱۹۸۵ میں یہ تعداد ۲۰ ہوگئی

۲۳ مارچ ۲۰۰۲ کو جنرل پرویز مشرف نے عورتوں کے حقوق کا اعلان کیا اور الیکشن کمیشن آف پاکستان نے ۳۳ فیصد نشستیں خواتین کے لیے مخصوص کر دیں۔ اس طرح مخصوص نشستوں پر ۶۰ خواتین اسمبلی میں پہنچیں۔ لوکل گورنمنٹ میں ۴۰،۰۰۰ خواتین کونسلرز منتخب ہوئیں۔ ۲۰۰۸ کے انتخابات میں ۱۳ خواتین براہِ راست انتخاب کے ذریعے قومی اسمبلی کی رکن بنیں۔ اس طرح قومی اسمبلی کی ۷۶ نشستیں خواتین کے پاس ہیں۔ اور ۲۰۱۳ میں خواتین ۸۹ مخصوص نشستوں پر قومی اسمبلی کی رکن بنیں (۲۷)۔ ان خوش کن اعداد و شمار کے باوجود حقیقی صورتحال یہ ہے کہ خواتین کی مخصوص نشستیں پاکستان میں جاگیرداری نظام اور امراء کی آمریت کو مستحکم کر رہی ہیں۔ سیاست پر عملاً مردوں کی حکمرانی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی جسے خواتین کے حقوق کا علمبردار ہونے کا دعویٰ ہے اس کی ۳۶ رکنی سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی میں صرف ایک خاتون ہے۔

سیاست میں خواتین کی شرکت۔ تجزیہ

پارلیمنٹ کی خواتین ہر فورم پر یہ شکایت کرتی نظر آتی ہیں کہ ان کی حیثیت کوئی بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے۔ اس صورتحال میں اگر پاکستانی سیاست میں خواتین کی بڑھتی ہوئی شمولیت کے اثرات کا جائزہ لیا جائے تو نہایت واضح نظر آتا ہے کہ ان خواتین کا کردار محض اتنا ہے کہ انھیں حقوق خواتین کی کوششوں کے ثبوت کے طور پر آگے پیش کر دیا جائے۔ اتنی بڑی تعداد میں خواتین کی ایوان میں موجودگی نے این۔ جی۔ اوز اور بیرونی عناصر کو قدم آگے بڑھانے اور جمانے کا موقع بھی فراہم کیا ہے جو اس سے قبل ملکی سطح پر کبھی کوئی قابلِ ذکر مقام حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ گزشتہ کچھ

عرصہ میں خواتین اراکینِ پارلیمنٹ نے متعدد بلز پیش کیے ہیں۔اس بات سے قطعاً انکار نہیں ہے کہ خواتین کی ان کاوشوں میں متعدد مثبت پہلو بھی شامل ہیں۔لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کی تمام تر کوششیں محض کٹھ پتلیوں کی مانند ہیں جنھیں تیار شدہ بلز تھما دیئے جاتے ہیں۔قطع نظر اس سے کہ ان بلز میں شامل تجاویز ہماری معاشرتی اقدار اور مذہبی احکام سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں، وہ انھیں پارلیمنٹ میں پیش کر کے داد وصول کرتی ہیں۔پاکستان کی حالیہ پارلیمنٹ میں خواتین اور خاندان سے متعلق جو تیس سے زیادہ غیر حکومتی بلز پیش کیے گئے ہیں ان میں متعدد ایسی دفعات شامل ہیں جو پاکستانی معاشرے کی ساخت،ضروریات اور مقامی روایات اور مذہبی پسِ منظر سے مطابقت نہیں رکھتیں۔این جی اوز ملکی اداروں کا تیار کردہ ایجنڈا CEDAW جینڈر ریفارمز ایکشن پروگرام (GRAP) اور نیشنل کمیشن آن سٹیٹس آف ویمن (NCSW) کے نام سے نافذ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔جن کے اپنانے سے خاندان کا ادارہ اور نتیجتاً پورا معاشرہ انتشار کا شکار ہونے کا خدشہ ہے۔

ملکی قانون سازی اور فیصلہ سازی سے قطع نظر اتنی بڑی تعداد میں خواتین کے قومی،صوبائی اور مقامی افق پر نمایاں ہونے سے متعدد سماجی اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ایک بڑا اثر یہ ہوا ہے کہ اب یہ بات بڑی حد تک تسلیم کی جانے لگی ہے کہ خواتین کی فیصلہ سازی میں شرکت وقت کی اہم ضرورت ہے اور اب وہ مذہبی طبقات بھی جو کسی وقت میں خواتین کے اس کردار کی مخالفت کیا کرتے تھے اب اس بات پر مجبور ہیں کہ طوعاً و کرھاً اس پیش رفت کی حمایت نہ بھی کریں تو کم از کم خاموش ضرور ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اٹھارویں ترمیم کی تیاری کے دوران جب قانون کی ایک ایک شق کا بغور جائزہ لیا گیا تو بھی خواتین کے لیے مخصوص نشستوں میں کمی کا مطالبہ کسی سیاسی جماعت نے نہیں کیا۔موجودہ حالات میں کوئی ایسی بات کہنا بہت مشکل ہے جسے حقوقِ نسواں کی علمبردار خواتین اپنے مفادات کے منافی سمجھتی ہوں۔کسی بھی معاشرے میں خواتین کا کردار بالکل فطری ہونا چاہیے اسے نہ تو اچھوت سمجھ کر یکسر تنہا اور بے وقعت کر دیا جائے اور نہ ہی ہر قسم کا بوجھ اس پر لاد کر خود اختیاری کے فریب میں مبتلا کیا جائے۔

سیاسی نمائندگی کو مفید بنانے کے لیے کیا کیا جائے؟

گھر کے اندر اس کا بنیادی کردار تسلیم کیا جانا چاہیے۔گھر کے معاملات میں اسے اہمیت دی جائے۔اس کی رائے اور خواہش کو مقدم رکھا جائے اس کے ساتھ ساتھ خاتون کا ایک سماجی اور سیاسی کردار جو وہ اپنے اردگرد کی دنیا میں ادا کرتی ہے وہ قومی اہداف اور ملی تقاضوں سے آگاہ ہو۔وہ نہ صرف اپنی اولاد کی تربیت میں بلکہ معاشرے کی عمومی ساخت میں اپنا مثبت کردار ادا کر رہی ہو۔سیاسی آگہی ہوتا کہ اپنے حقوق کا تحفظ کر سکے۔جہاں تک سیاسی نمائندگی کی بات ہے وہ جنس کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ اہلیت کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔جو عورت مشاورت کی صلاحیت رکھتی ہے بہترین رائے دے سکتی ہے اسے رائے دینے کا حق ہونا چاہیے۔اسلام کا نظامِ عدل اکائیوں پر مشتمل نہیں اور وہ معاشرے کو اکائیوں میں تقسیم کر کے ایک

دوسرے کے خلاف نبرد آزما نہیں کرواتا۔اس کے نزدیک قاضی کے منصب پر بیٹھنے والا شخص رشتہ داری، صنف یا برادری کی بناء پر فیصلے نہیں کرتا بلکہ اصولوں کے سامنے رکھتے ہوئے انصاف کا معاملہ کرتا ہے۔اسلام عورت کو سیاسی عمل میں شریک ہونے کی اجازت دیتا ہے لیکن ساتھ اسلامی معاشرے کی قدروں کا لحاظ رکھنے اور اپنی ذمہ داری تربیتِ اولاد کو پورا کرنے کا پابند کرتا ہے۔خواتین کے سیاسی کردار کے حوالے سے جو کام ہمارے کرنے کا ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان کی تمام خواتین تک پہنچیں۔انھیں ان کا اصل کردار سمجھائیں، ان کے مصائب کو سمجھنے کے بعد ان کے حل کی کوشش کریں اور سیاسی افق پر ان کی اجارہ داری ختم کرنے کی کوشش کریں جو دو راصل خواتین کو نہیں بلک خواتین کے بیشتر مصائب کا باعث بننے والے جاگیر دار طبقہ کی نمائندہ ہیں۔ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم خواتین کے حقوق کی جدو جہد نہیں کر رہیں بلکہ ہم انسانیت کی فلاح کے لیے کوشاں ہیں۔ہمارے نزدیک جو چیز پورے معاشرے کے لیے بہتر ہے وہی چیز خواتین کو بھی فائدہ پہنچائے گی کیونکہ سب کے فائدے میں ہر ایک کا فائدہ ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ہمیں خواتین کی آواز بنتے ہوئے فیصلہ ساز اداروں میں موجود افراد و خواتین اور ان کی پشت پر کار فرما قوتوں کو ہر وسیلے سے اور ہر مرحلہ پر یہ باور کروانا چاہیے کہ ایسا کوئی بھی اقدام یا فارمولا نہ تو پاکستانی معاشرے میں قابلِ قبول ہے اور نہ ہی قابلِ عمل جو ہماری مذہبی روایات، سماجی اقدار اور معاشرتی ڈھانچے کو مدِّ نظر رکھ کر نہ بنایا گیا ہو۔ہمیں معاشرے میں بڑھتے ہوئے ان فاصلوں کو کم کرنے کے لیے بھی قدم آگے بڑھانا ہوگا جن کی وجہ سے معاشرہ اسلام پسند اور سیکولر طبقات میں تقسیم ہوتا چلا جا رہا ہے۔اور دونوں طبقات کے درمیان ایک کشمکش میں افراد کی صلاحیتیں منفی انداز میں استعمال ہو رہی ہیں۔

سفارشات

خواتین کی سیاسی سرگرمیوں کو مثبت انداز میں آگے بڑھانے کے لیے درج ذیل تجاویز اہمیت کی حامل ہیں

۱۔ انتخابات متناسب نمائندگی کی بنیاد پر ہوں۔

۲۔ متناسب نمائندگی سے مراد یہ ہے کہ جو پارٹی جتنے ووٹ حاصل کرے گی ووٹوں کی نسبت سے اس پارٹی کو نشستیں الاٹ کردی جائیں گی۔مثلاً ایک پارٹی پانچ حلقوں میں ۵۰،۰۰۰۰ ووٹ لیتی ہے اور دوسری پارٹی ۴۵۰۰۰۰ ووٹ حاصل کرتی ہے تو ان حلقوں میں نمائندگی ووٹوں کے تناسب سے دی جائے گی۔خواتین کو بھی پارٹی ووٹ کی بنیاد پر نشست الاٹ کر دی جائیں گی۔

متناسب نمائندگی کے درج ذیل فوائد ہوں گے۔

۱۔ گھر گھر جا کر ووٹ مانگنے کی زحمت نہ ہوگی

۲۔ دھمکی، دباؤ اور تشدد سے بچ جائیں گے

۳۔ کروڑوں روپے کا اخراجات جو الیکشن مہم پر خرچ ہوتے ہیں بچ جائیں گے۔

۴۔ آئین کی دفعہ نمبر ۱۶۲ اور ۶۳ کے مطابق فرائض کی پابندی کروائی جائے، عورت کے لیے ستر ڈھانپنا لازمی ہو۔

۵۔ عورت کے لیے عمر کی حد کم از کم ۳۵ سال مقرر کر دی جائے

۶۔ اسمبلی ہال میں خواتین کے لیے علیحدہ نشست گاہیں رکھی جائیں۔

۷۔ خواتین سے متعلق امور مثلاً طالبات کا اسکولز، کالجز، ہسپتال، فوجی اور غیر تربیت کے ادارے کلی طور پر منتخب خواتین کے دائرہ اختیار میں ہوں

۸۔ خواتین کے لیے مخصوص سہولتیں مقرر کی جائیں جیسے ٹرانسپورٹ اور خصوصی رخصت وغیرہ۔

مراجع وحواشی

(۱) ابنِ منظور افریقی۔(۲۰۰۴)۔لسان العرب۔ج ۷۔بیروت: دار صادر۔ص ۱۰۸

(۲) ابن خلدون۔(۱۹۸۰)۔مقدمہ ابن خلدون۔ج ۸۔بیروت۔ص ۱۸

(۳) امام راغب اصفہانی۔الذریعہ الی مکارم الشریعہ۔ج ۸۔ص ۱۸

(۴) افادات امام حسن البناء۔اسلامی انقلابِ اصول، منہج اور تقاضے۔تالیف ڈاختر عبد الحمید الغزالی۔لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی۔ص ۱۸۱

(۵) مولانا گوہر رحمان۔اسلامی سیاست۔مردان: مکتبہ تفہیم القرآن۔ص ۲۴

(۶) ڈاکٹر محمد خیرت۔(۲۰۰۲)۔المرأۃ فی الاسلام۔بیروت۔ص ۱۶

(۶) وصفی عاشور ابوزید۔مشارکۃ المرأۃ فی العمل العام (کارگہ حیات میں خواتین کی شرکت۔مترجم الیاس نعمانی ندوی)۔نئی دہلی: ایفا پبلی کیشنز۔ص ۱۲۵

(۷) القرآن۔آلِ عمران۔آیت ۱۰۴

(۸) القرآن۔سورۃ النساء۔آیت ۷۵

(۹) ابنِ کثیر۔(۲۰۰۶ء)۔تفسیر ابنِ کثیر۔آلِ عمران۔آیت ۶۱۔مکتبہ قدوسیہ

(۱۰) وصفی عاشور ابوزید۔ص ۳۵

(۱۱) شیخ عبد العزیز بن باز۔مجموع فتاوی ومقالات۔ج 1۔طبع دوم۔ص ۳۱۲

(۱۲) وصفی عاشور ابوزید۔(۲۰۰۷)۔ادارہ نشریات۔ص ۳۸، ۳۹

(۱۳) ایضاً

(۱۴) ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی۔(۲۰۰۵)۔المرأۃ بین الفقۃ والقانون۔المکتب الاسلامی، مؤسسۃ الرسالۃ۔بیروت: دمشق۔ص ۱۵۷۔۱۵۷

(۱۵) سالم بھنساوی۔(۲۰۰۰)۔مکانۃ المرأۃ۔بیروت۔ص ۳۹

(۱۶) ابوالاعلیٰ مودودی۔اسلامی ریاست۔طبع ۲۶۔اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ۔ص ۴۱۷

(۱۷) القرآن۔سورۃ النساء۔آیت ۳۴ (۱۸) ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی۔ص ۱۵۵

(۱۹) ڈاکٹر محمد فرید صادق۔الحقوق السیاسۃ للمرأۃ کلیۃ الحقوق۔جامعۃ القاہرہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے ۱۹۹۷ میں لکھا گیا مقالہ۔ص ۸۷۔۹۸

(۲۰) وصفی عاشور ابوزید۔ایفا پبلیکیشنز۔ص ۱۷۰

(۲۱) افادات امام حسن البناء۔اسلامی انقلابِ اصول، منہج اور تقاضے۔تالیف ڈاختر عبدالحمید الغزالی۔لاہور: ادارہ معارفِ اسلامی۔ص ۲۱۵

(۲۲) مولانا اشرف علی تھانوی۔اسلام اور سیاست، ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ص ۱۱۔۲۴۶

(۲۳) ایضاً۔ص ۲۶۵

(۲۴) ابوبکر بن مسعود الکاسانی۔(۱۹۸۶)۔بدائع الضائع فی الشرائع۔بیروت: دارالکتب العلمیہ۔ص ۳۲

(۲۴) عبدالحلیم ابوشقہ۔(۲۰۰۷)۔مترجم محمد فہیم اختر ندوی۔عورت عہدِ رسالت میں۔ادارہ نشریات۔ص ۲۵۰، ۲۴۹

(۲۵) ایضاً۔ص ۲۵۰، ۲۵۱

(۲۶) The Progress of Nation. 1997

(۲۷) Fafen women and the 2013 General Elections Page 3 of 8, 22 april 2013

(۲۸) ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی۔(۱۹۹۶)۔الجامع الاحکام القرآن۔القاہرہ: دارالکتب المصریہ

(۲۹) عبدالرحمٰن بن ناصر اسعدی۔(۲۰۰۰)۔تیسیر الکریم فی تفسیر کلام المنان۔بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ

(۳۰) محمد بن ابوبکر ابن قیم۔(۱۹۹۱)۔اعلام الموقعین عن رب العالمین۔دارالکتب العلمیہ